© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

قرآنِ مجید اور کتبِ سابقہ

قرآن حکیم وہ پہلا دینی صحیفہ ہے، جس نے نہ صرف نوعِ انسانی کو زندگی کا بہترین سانچہ بخشا بلکہ یہ بھی بتایا کہ اس کا ادیانِ سابقہ سے کیا رشتہ ہے اور گزشتہ انبیا اور کتبِ سابقہ کے بارے میں اس کا کیا موقف ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن حکیم جب بجائے خود ایک مکمل ہدایت ہے، اور رشد و رہنمائی کے معاملہ میں اس لائق ہے کہ بغیر کسی خارجی حوالے کے فکر و عقیدہ کی گتھیوں کو سلجھا سکے، تو اس صورت میں اس بات کی ضرورت ہی کیا تھی کہ انبیائے سابقین اور صحائفِ قدیمہ سے متعلق خواہ مخواہ اپنے موقف کی تعیین کرے۔ جواب یہ ہے۔ یہ ضرورت دو وجہ سے ابھری۔ ایک تو اس لیے کہ قرآن حکیم اس بات کا ہرگز مدعی نہیں ہے کہ اس کی تعلیمات عنایتِ الٰہی کے اس مسلسل فیضان سے الگ تھلگ بالکل نئی اور انوکھی ہیں جس کو ہم وحی و رسالت کے نام سے پکارتے ہیں یا یہ کہ جن کی تائید انبیا و رسل کے پیغام و دعوت سے نہیں ہو سکتی۔ اس کے نقطۂ نظر سے یہ وہی جانی بوجھی اور معروف حقیقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے فرستادوں نے متفقہ طور پر اپنے اپنے دَور میں پیش کیا۔

قل ما کنت بدعًا من الرسل [1]

کہہ دیجیے مَیں کوئی انوکھا رسول نہیں۔

یعنی یہ وہی معرفت ہے جس کو ابراہیم اور اولاد ابراہیم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ووصّٰی بھا ابرٰھیم بنیہ ویعقوب [2] ط

اور یہی وہ دین تھا جس کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو تلقین کی اور یہی وہ سچائی تھی جس کو یعقوب نے اپنی اولاد تک پہنچایا۔

---

[1] احقاف ۹ [2] البقرہ ۱۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا اسلام اور تعلیماتِ سابقہ میں فرق یا تو جام و سبو کی تبدیلی کا ہے اور یا پھر تکمیل و ارتقا کے ان تقاضوں کا، جن کی بدولت خدا کے اس پیغام نے آخری شکل اختیار کی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا[3]

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

سابق ادیان اور انبیا کے مقابلہ میں اسلام کے اس موقف کو ایجابی طور پر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام انسان کی عالمگیر وحدت پر یقین رکھتا ہے۔ عالمگیر سچائیوں کو مانتا ہے اور اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ کسی بھی دور میں اللہ تعالیٰ کے فیضان نے انسان کو رشد و ہدایت کی بہرہ مندیوں سے محروم نہیں رکھا۔ دوسرا سبب اس جغرافیائی مناسبت سے تعلق رکھتا ہے کہ جزیرۃ العرب میں تنہا مشرکینِ مکہ ہی کے ہم مسلک لوگ آباد نہیں تھے بلکہ یہاں یہود و نصاریٰ کی بستیاں بھی تھیں اور ان کے تہذیبی اثر و نفوذ کے دائرے بھی خاصے وسیع تھے اور قرآن حکیم کے مخاطبین اولین میں چونکہ یہ بھی داخل تھے، اس لیے ضروری تھا کہ اسلام اور ان ادیان میں استناد و صحت یا رشتہ کے تعلق کی نوعیت کو واضح کیا جائے اور بتایا جائے کہ قرآن حکیم ان کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے۔

یوں تو عنایتِ الٰہی اور تدبیرِ خداوندی نے ہزاروں انبیا کو انسانیت کی زلف و کاکل کو سنوارنے کے لیے مبعوث فرمایا اور ان میں متعدد حضرات کو متعین صحائف اور نوشتوں سے بھی نوازا، لیکن قرآن حکیم نے صرف انہی کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن سے ان کے مخاطب آشنا تھے اور جن میں اکثر کسی نہ کسی شکل میں اس وقت بھی موجود تھیں۔ ان نوشتوں کو جو انبیائے سابقین کو عطا ہوئے، قرآن صحفِ اولیٰ اور صحفِ مکرمہ، زبر، اور زبر الاولین کے نام سے یاد کرتا ہے۔

اولم تاتہم بینۃ ما فی الصحف الاولیٰ[4]

اور کیا ان تک وہ نشان نہیں پہنچا جس کا ذکر صحفِ اولیٰ میں ہے۔

---

[3] المائدہ ۳ [4] طٰہٰ ۱۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلا انها تذکرة ۝ فمن شاء ذکره ۝ فی صحف مکرمة[۵]

یوں نہیں۔ یہ تو تذکرہ ہے، سو جو چاہے اسے یاد کرے۔ یہ ان صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں۔

جاءتهم رسلهم بالبینٰت وبالزبر وبالکتٰب المنیر[۶]

ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل، صحائف (زبر) اور کتابِ منیر لے کر آئے۔

وانه لفی زبر الاولین[۷] ۝

اور بے شک اس کا چرچا اگلی کتابوں (زبر الاولین) میں ہے۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کو جہاں اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ انھوں نے بابل و نینوی کے تاریک بت پرستانہ ماحول میں رہ کر بھی توحید کی روشنی کو پالینے میں کامیابی حاصل کی، وہاں اس بات کی تصریح بھی موجود ہے کہ اس بصیرت و ادراک کے علاوہ جو توحید کی ضوفشانیوں سے حاصل ہوتی ہے، انھیں زندگی کا ایک متعین آئین اور سانچہ بھی دیا گیا، جو صحفِ ابراہیم کے نام سے مشہور ہوا۔

ان هٰذا لفی الصحف الاولیٰ ۝ صحف ابراهیم وموسیٰ[۸] ۝

یقیناً یہ مضمون اگلی کتابوں میں بھی ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحف میں۔

حضرت داؤد کو جو شکوہِ نبوت کے ساتھ شکوہِ حکومت سے بھی بہرہ مند تھے، جو کتاب مرحمت ہوئی وہ زبور کہلائی۔

وآتینا داود زبورا[۹] ۝

اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

حضرت موسیٰ وہ پہلے اور آخری پیغمبر ہیں جنھوں نے نہ صرف بنی اسرائیل کو فرعون کے دستِ تظلم سے نجات دلائی، انھیں قومی تشخص سے روشناس کیا، بلکہ ملی سطح پر ان کی شیرازہ بندی بھی کی اور ان کو قانون و تشریع کا ایک جچا تلا پیمانہ بھی بخشا۔ قرآن نے آئین اور تشریع کے

---

[۵] عبس ۱۳ — [۶] فاطر ۲۵ — [۷] شعراء ۱۹۶

[۸] اعلیٰ ۱۹ — [۹] اسراء ۵۵۔ نساء ۱۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پیمانہ کو صحف ، الواح اور تورات کے الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

اَم لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ[10]

کیا اسے ان باتوں کی اطلاع نہیں دی گئی جو صحف موسیٰ میں مذکور ہیں۔

وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیئ موعظۃ وتفصیلا لکل شیئ[11]

اور ہم نے اس کے لیے الواح (تختیوں) میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل رقم کر دی۔

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدیً ونور[12]

بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

یہودی فقیہوں اور فریسیوں نے حضرت موسےٰ کے تقنین و تشریع کے پیمانوں کی جو تشریح کی اس سے مذہب کے بارے میں جس دعویٰ (THESIS) کی تشکیل ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں زندگی کا جو نقشہ ڈھلا، اس میں جمود ابھرا، قساوتِ قلبی نے راہ پائی اور روح وحسن کی بے مائیگی نے امتیاز حاصل کیا اور یہودیت طوق وسلاسل کا ایسا طلسم اور بے جان مجموعہ بن کر رہ گئی، جس میں دوسری قوموں کے لیے کوئی کشش باقی نہ رہی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس صورت حال کا مقابلہ ایسے جوابِ دعویٰ (ANTITHESIS) سے کیا جس میں روح ومعنی اور اصول و اخلاق کے پہلوؤں کو نسبتاً زیادہ اجاگر کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ دین کی اساس، جڑ اور روح ، خدا اور بنی نوع انسان کی محبت سے تعبیر ہے یہودیت کے خلاف اس جواب دعویٰ کو قرآنِ حکیم میں 'انجیل' کہا گیا ہے اور تصریح کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ پر اس کا نزول ہوا۔

وآتیناہ الانجیل فیہ ھدیً ونور[13]

اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔

وقفینا بعیسی ابن مریم وآتیناہ الانجیل[14]

اور ہم نے ان کے پیچھے ابن مریم کو بھیجا اور انجیل دی۔

---

[10] النجم ۳۶ [11] اعراف ۱۴۵ [12] المائدہ ۴۴
[13] المائدہ ۴۶ [14] الحدید ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم کا کتب سابقہ سے متعلق بالخصوص اور گزشتہ انبیا و رسل کے بارے میں بالعموم کیا موقف ہے۔ اس کو ہم وضاحت و تفصیل کی غرض سے تین نکات کی شکل میں بیان کر سکتے ہیں۔

اس سلسلہ کی پہلی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا کہ وقت و زمان کے فاصلے یا مختلف قوموں کے اختلافات سچائی اور صداقت کا روپ بدل سکتے ہیں۔ صداقت بہرحال ایک ہے، ناقابل تقسیم اور عالم گیر ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ مانی ہوئی اور مسلّم حقیقت ہے جو ہر دور میں احترام و تسلیم کی سزاوار ہے۔

انہی عالم گیر اور ہمہ گیر صداقتوں اور سچائیوں کو پھیلانے اور فروغ دینے کے لیے مختلف قوموں میں انبیا مبعوث ہوئے۔ ایک مسلمان کے لیے اسلام کو اپنے لیے مشعل راہ قرار دینے کے علاوہ اللہ کے ان سب فرستادوں پر بھی ایمان لانا بھی ضروری ہے، جنھوں نے وقتاً فوقتاً سچائیوں کے اس قافلہ کو آگے بڑھانے کی کوششیں کیں۔

قرآن حکیم نے اپنے اوراق و صفحات میں ان تمام سچائیوں کو سمو لیا ہے اور ان پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔

چنانچہ وہ بار بار اس بات کی تائید کرتا ہے کہ تم وحی و رسالت کے اس تسلسل کو تسلیم کرو جو آدم سے شروع ہو کر آنحضرت صلعم کی ذاتِ گرامی پر اختتام پذیر ہوا، اور بغیر کسی تفریق و امتیاز کے تمام انبیا پر ایمان لاؤ۔

یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہِ ورسولہ والکتاب الذی نزل علیٰ رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل[۱۵]

اے ایمان والو۔ ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر بھی، جو پہلے اتاری۔

قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیّون من ربھم لانفرق

۱۵؎ النساء ۱۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین احد من منهم ونحن له مسلمون[16]

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پیغام پر جو ہماری طرف اترا، اور جو ابراہیم، اسمعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور اس پر بھی ایمان لائے جو موسیٰ، عیسیٰ اور تمام انبیا کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا۔ ہم ایمان لاتے ہیں ان میں سے کسی کے بارے میں فرق نہیں کرتے، ہم تو اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے ہیں۔

انبیائے سابقین اور گزشتہ ہمہ گیر سچائیوں کو اپنی آغوش میں سمو لینے کے اس عمل کو قرآن حکیم نے "ہیمنہ" کے نام سے پکارا ہے اور یہ اس سلسلہ کا دوسرا اہم نکتہ ہے۔

وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتٰب ومهیمنا علیه[17]

اور ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق اتاری جو اگلی کتابوں کی تصدیق پر مشتمل ہے اور ان پر "مہیمن" کی حیثیت رکھتی ہے۔

"مہیمن" اللہ تعالےٰ کی بھی صفت ہے۔

هو الله الذی لآ اله الا هو الملک القدوس السلام المومن المهیمن[18]

وہی ذاتِ گرامی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پادشاہ اور سلامتی و امن عطا کرنے والا قدوس اور مہیمن ہے۔

لفظ ہیمنہ یا مہیمن کے ٹھیک ٹھیک معنی کیا ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے اردو میں کوئی ایک لفظ کافی نہیں۔ اس کے معنوں میں شہادت یا شاہد بھی شامل ہے۔ عباس بن عبدالمطلب کا ایک شعر آنحضرت کی تعریف میں اسی معنی کی طرف اشارہ کناں ہے:

حتی احتوی بیتک المهیمن ، من خندف ، علیا ، تحتها النطق

قضیہ اور مسئلہ کی روح کو سمجھنا اور اس کے بارے میں صحیح فتویٰ دینا بھی مہیمنہ میں شمار ہوتا ہے۔ انہی معنوں میں حضرت علی سے متعلق کہا گیا ہے۔

---

[16] البقرہ ۱۳۶ [17] المائدہ ۴۸ [18] الحشر ۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلم یا المهیمنات یعنی پیچیدہ فقہی مسائل کا ماہر و شناور۔

ابن الانباری کا کہنا ہے کہ اس کے معنی خلق اللہ کے امور و مسائل کی نگہبانی و حفاظت کے فرائض انجام دینا ہے اور اس کی تائید میں انھوں نے یہ شعر پیش کیا:

الا ان خیر الناس بعد نبیہ مہیمنہ التالیہ فی العرف والنکر

یعنی آنحضرت کے بعد ابوبکر ہی سب سے بہتر انسان ہیں جو آنحضرت کے خلیفہ اور نائب ہیں اور جو آپ کی تعلیمات اور خلق اللہ کے مسائل کو حل کرنے اور خیر و شر کو پہچاننے میں ٹھیک اپنے پیش رو کے قدم پر چلنے والے ہیں۔

اکثر و بیشتر امین کے معنوں میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ لغت کے اعتبار سے "مهیمنہ" میں "ہ" سرے سے جزو لفظ ہی نہیں، کیونکہ اصل میں یہ "ہ" ہمزہ ہے۔ لہذا اس کا امین کے معنوں میں استعمال ہونا زیادہ قرین قیاس ہے[19] ان تمام مدلولات پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم سابقہ تعلیمات کے بارے میں جب مہیمن کا موقف اختیار کرتا ہے، تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قرآن حکیم نے ایک شاہد و امین انسان کی طرح نہ صرف سابقہ تعلیمات کی روح کو محفوظ رکھا ہے بلکہ مہیمن کی حیثیت سے اس بات کی نگرانی بھی کی ہے کہ کہاں کہاں اس روح کو بدلا گیا ہے۔ کہاں کہاں فکر و عقیدہ اور مسائل میں تحریف و تغیر سے کام لیا گیا ہے اور کن کن مقامات پر حقائق دینی کے فہم و عمل میں گزشتہ قوموں میں لغزش و خطا کا صدور ہوا ہے۔

اس سلسلہ کا تیسرا نکتہ جو خصوصی توجہ کا مستحق ہے یہ ہے کہ گو انبیا علیہم السلام تاریخ کے مختلف ادوار میں آئے۔ تاہم ان کی تعلیمات اور دعوت میں ارتقا و تکمیل کا ہمہ گیر قانون برابر کارفرما رہا ہے اور یہ ارتقاء و اتمام کا یہ عمل وحی و تنزیل کی شکل میں اس وقت تک ایک خاص ترتیب اور تسلسل کے ساتھ جاری رہا ہے، جب تک معاشرہ میں پیش آئندہ مسائل کی تمام پیچیدگیوں کا حل دریافت نہیں ہو گیا ہے اور بنی نوع انسان نے تمام طرح کے فکری و عملی تضادات سے

---

[19] لسان العرب بضمن لفظ ھمن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخلصی حاصل کر لینے کی سعادت حاصل نہیں کرلی۔ یہودیت کے بارے میں اس حقیقت کا جان لینا ضروری ہے کہ یہ اصلاح و تعمیر کی ان تاریخی کششوں کی داستان ہے جو قانون و تشریح یا کلمہ کی صورت میں قلمبند ہوئیں یعنی یہودیت کی تہہ میں اصلاح و تعمیر کا یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اگر قانون و فقہ کے تقاضے مکمل ہوں تو انسانی زندگی کو اخلاق و اقدار کے رشتوں میں اچھی طرح منسلک کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک نظریہ یا دعویٰ تھا جس کی روشنی میں یہودی کردار کی تشکیل ہوئی، اور یہودی تاریخ کا تانا بانا تیار ہوا۔

انسانی زندگی کو سنوارنے اور اخلاقی و روحانی کردار کو اجاگر کرنے کا دوسرا اسلوب بحیثیت مجموعی عیسائیت نے پیش کیا۔ اس اسلوب کو ہم تشریح و فقہ کے خلاف ایک شدید ردِّ عمل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کی بنیاد اس نظریہ پر تھی کہ اصلاح و تعمیر کا کام قانون، احکام اور "یہ کرو اور یہ نہ کرو یا یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ" کی بے معنی اور سخت پابندیوں سے انجام نہیں پاتا، کیونکہ اس کا تعلق سراسر روح سے ہے، معنی سے ہے۔ محبت سے ہے، باطن سے ہے اور فکر و نظر یا قلب و وجدان کی تبدیلی سے ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں اصول صحیح بھی ہیں اور غلط بھی۔ صحیح ان معنوں میں کہ اگر قانون و تشریح اور احکام و مسائل کی تعیین نہ ہو، تو زندگی بے راہ رو ہو کر رہ جاتی ہے اور اس سے کوئی بھی بُرا یا بھلا تہذیبی نقشہ ترتیب نہیں پاتا اور اسی طرح قانون کے ساتھ ساتھ اگر روح کو نظر انداز کر دیا جائے اور قلب و ذہن کی تبدیلی کو اہمیت نہ دی جائے اور انسان دوستی اور محبت ایسے لطیف جذبات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھ پائے، تو تشریح و فقہ کی پابندیاں بے معنی اور ٹھس ہو کر رہ جاتی ہیں۔ فکر و نظر کے لیے یہ دونوں اسلوب اس اعتبار سے غلط ہیں کہ نہ تنہا قانون اور حکم، اصلاح و تعمیر کا کامیاب ذریعہ بن سکتا ہے اور نہ تنہا تصوّف اور قلب و روح کی تبدیلی سے تہذیب و تمدن کا قافلہ آگے بڑھ پاتا ہے۔

قرآن حکیم نے یہودیت و عیسائیت کے اس تضاد کو دور کرنے کے لیے بہترین اور وہ آخری امتزاج پیش کیا جس کے بعد مزید غور و فکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس نے نہ صرف قانون کے تقاضوں کی تکمیل کی بلکہ روح و معنی کے پہلوؤں کو بھی نئی تابش و ضو بخشی اور بتایا کہ زندگی ایک ہے اور ظاہر و باطن کی یہ تقسیم اس طرح دو ٹوک نہیں کہ ان میں حقیقتاً تضاد رونما ہو۔ اختلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یہ نوعیت محض سطحی ہے ۔ ورنہ اصلاح و تعمیر کا فریضہ قانون اور تشریع سے بھی پورا ہوتا ہے اور قلب و ذہن کے تزکیہ سے بھی ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دونوں تقاضے ایک دوسرے کی مدد کرتے اور زندگی کے رخِ روشن کو اور نکھارتے اور سنوارتے ہیں ۔ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اللہ کی آخری کتاب ہے اور آنحضرتؐ آخری نبی ہیں جو بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے، تو اس کے معنی صرف اظہارِ حقیقت یا خطیبانہ اور شاعرانہ تعلّی کے نہیں ہوتے بلکہ یہ ہوتے ہیں کہ رشد و ہدایت کے تمام تقاضوں کی تکمیل ہو چکی ۔ تمام نوع کے فکری و عملی تضادات قرآنی تعلیمات کی شکل میں باحسن وجہ سلجھا دیئے گئے اور انسانی معاشرہ تغیر و انقلاب کی جن جن صورتوں اور کروٹوں سے دوچار ہو سکتا تھا دوچار ہو چکا اور ان کے بارے میں اصول کی حد تک تمام طرح کی تفصیلات فراہم کر دی گئیں ۔ لہذا قرآن حکیم اس سلسلۂ ارتقا کی وہ آخری کڑی ہے جس کے بعد وحی و الہام کی ارزانیوں کی قطعی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ یعنی یہ اللہ کا وہ آخری بول، زندگی کی وہ آخری حقیقت اور رشد و ہدایت کا وہ آخری خزانہ اور نقشہ ہے، جو قلب جبریل پہ مرتسم اور ضمیرِ ازل میں پوشیدہ و پنہاں تھا، قرآن کے صفحات میں یہ ہویدا اور نمایاں ہو گیا:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔[20]

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنے کرم و انعام کے تقاضوں کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے چن لیا۔

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ قرآن حکیم نے نہ صرف کتب سابقہ کی روح، تعلیمات اور تاریخی حقائق کو اپنے دامن ہدایت التیام میں سمیٹا، اور ایک نگران اور مہیمن کی حیثیت سے یہودی اور عیسوی فکر و عمل کی تصحیح کی بلکہ ارتقا کے تقاضوں کی تکمیل بھی کی اور رشد و ہدایت کے قافلوں کو اس منزل تک پہنچایا جس کے آگے اور کوئی منزل نہیں ۔ قرآن کے بارے

---

[20] المائدہ ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں خصوصیت سے وصفِ ارتقا کا تعلق کس درجہ سلسلۂ نبوت و رسالت کے اختتام سے ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ حج اکبر کے موقع پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو بجائے اس کے کہ اس مژدۂ جانفزا کی مناسبت سے کہ دین کے تقاضے اپنی آخری منزل تک پہنچے، مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جائے، حضرت عمرؓ کی آنکھیں بے اختیار آنسو بہانے لگیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا۔ عمر اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جب تک قرآن نازل ہوتا رہا، ہم پُرامید رہے کہ آپ سے استفادہ اور استفاضہ کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوتے رہیں گے لیکن اب جب کہ نزولِ قرآن کا یہ سلسلہ اختتام پذیر ہو رہا ہے تو لامحالہ آپ کی زندگی، آپ کا وجود، اور آپ کی فیض رسانیوں کا یہ دائرہ بھی سمٹے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ اندیشہ جو غیر معمولی بصیرت اور آنحضرت کے ساتھ حد درجہ عشق و وارفتگی پر مبنی تھا، صحیح ثابت ہوا۔ آپ اس آیت کے نزول کے اکیاسی دن بعد اپنے رفیقِ اعلےٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔[21]

کتبِ سابقہ سے متعلق قرآن حکیم کے اس بچے تلے اور واضح موقف و منصب کی وضاحت کے بعد آئیے اب یہ دیکھیں کہ ان صحائف کو اس دور کی تحقیقی کوششوں نے استناد کے کس درجہ میں شمار کیا ہے۔

تحقیقی کوششوں سے مراد مغرب کے اہلِ علم و فضل کی وہ دیانت دارانہ کاوشیں ہیں جو انھوں نے صحفِ قدیمہ کی چھان بین کے سلسلہ میں انجام دیں۔ یہ مساعی تین خانوں میں منقسم ہیں:

۱۔ ایک گروہ نے روایتی تقدس و استناد کے دبیز اور کہنہ پردوں کو ہٹا کر یہ دیکھنے کی سعی کی کہ تاریخی اعتبار سے ان کا مقام کیا ہے۔

۲۔ دوسرے گروہ نے متون میں تضادات کی نشان دہی کی اور تطبیق کی مختلف صورتیں بتائیں اور:

۳۔ تیسرے گروہ نے لسانیات کے نقطۂ نظر سے ان کا جائزہ لیا اور بتایا کہ اصل متون

۲۱؎ تفسیر ابن کثیر بضمن آیت مذکورہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس زبان میں تھے اور ترجمہ نے کس حد تک ان کی روح کو اجاگر یا مسخ کیا۔

بحیثیت مجموعی یہ کوشش حد درجہ ستائش کی مستحق ہے۔ ان کی روشنی میں یہ مسئلہ آسان ہو جاتا ہے کہ ہم اس کا صحیح اور ٹھیک ٹھیک موقف و مقام متعین کر سکیں۔ قرآن حکیم نے انبیائے سابقین اور کتب سابقہ کا جس انداز میں ذکر کیا، اس کی ترتیب میں صرف اس نقطہ نظر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ربوبیت کبریٰ کے فیوض و انوار نے تاریخ کے مختلف ادوار میں، رشد و ہدایت کے کن کن نمونوں کو چنا اور عمل و کردار کے ان مشعل برداروں نے معاشرہ میں پھیلی ہوئی فکر و تصور کی ظلمتوں کو کس حد تک دور کیا اور ضیا گستری کی ان کوششوں میں یہ بلند قامت حضرات کس حد تک کامیاب رہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا یہی موضوع بھی ہے کہ وہ انبیائے سابقین اور کتب سابقہ میں وحی و تنزیل کے معانی اور حقائق میں اس مغز و روح کی نشان دہی کرے، جس کو لوگوں نے فراموش کر دیا ہے، اور یہ بتائے کہ ان میں ربط و ارتقا کی کون کون سی کڑیاں پنہاں ہیں۔ کتب سابقہ کے ضمن میں کون کون سی کتابیں یا صحائف کس ترتیب کے ساتھ اہل کتاب میں مروج و مقبول ہیں، ان کا تذکرہ ان کے دائرہ موضوع سے خارج ہے یہی وجہ ہے قرآن، صحف ابراہیم، زبور، تورات اور انجیل کے الگ الگ نام تو لیتا ہے لیکن یہ نہیں بتاتا کہ یہ کتابیں اور یہ صحیفے یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں کس ترتیب اور سیاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس ترتیب و سیاق کو ملحوظ نہ رکھنے کی ہمارے نزدیک دوسری اہم وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کا سرچشمہ و منبع براہ راست علم الٰہی ہے، ان کتابوں سے متعلق استدلال و استنباط سے نہیں۔ لیکن ہم جب ان کتابوں کے بارے میں اظہار خیال کریں گے تو ضروری ہے کہ اس ترتیب و سیاق کو ملحوظ رکھیں جو صدیوں سے ان کے ہاں معروف و مسلّم چلی آ رہی ہے۔

بائبل

یہودیوں اور عیسائیوں میں صحائف و کتب کے اس مجموعہ کو بائبل کے نام سے پکارتے ہیں بائبل جو ان کے ہاں حد درجہ تقدس و استناد کا حامل ہے۔

بائبل کا لفظ یونانی الاصل ہے اور اطالوی زبان کی وساطت سے یونانی میں آیا ہے۔ یونانی میں اس کے معنی مطلق کتب و صحائف کے نہیں، لیکن جب ان کا ترجمہ اطالوی زبان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا، تو مجموعۂ کتب وصحائف کے ساتھ ساتھ تقدس کے معنی بھی اس میں شامل ہوئے اور اس کا اطلاق ایسے مجموعۂ کتب پر ہونے لگا جو بنی اسرائیل کی تاریخ، فقہ اور تصورِ حیات کی مکمل تصویر ہے [۲۲]

بائبل کا اطلاق عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید دونوں پر ہوتا ہے۔

عہد نامہ سے مراد رشد وہدایت کے ایک خاص دور سے ہے جس میں اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کو تشریع وقانون کی نعمتوں سے نوازا اور کہا کہ اگر وہ اس کو مانتے اور تسلیم کرتے رہے تو کامرانیاں ان کے قدم چومتی رہیں گی اور یہ دنیا میں پھلتے پھولتے اور ترقی کرتے رہیں گے، ورنہ بصورت دیگر ان کو مخالفت کا ذلت و رسوائی کی شکل میں خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

یہ عہد ایک تو وہ ہے جو قدیم انبیا سے شروع ہو کر حضرت موسیٰ تک انتہا پذیر ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کا آغاز حضرت مسیح کی تعلیمات اور خوشخبری سے ہوتا ہے اور خدا کی پادشاہت کے قیام تک رہے گا۔ اسی مناسبت سے ان کو عہد نامہ قدیم و جدید کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں معاہدہ و معاملہ کی اسی صورت کو میثاق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے

واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ وبالوالدین احساناً و ذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وقولوا للناس حسناً [۲۳]

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین کا خیال رکھنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میثاق کے معنی اطاعت و پیروی کے اقرار و عمل کے ہیں، جس کے ایفا کا ہر دور میں قوموں سے وعدہ لیا گیا ہے۔ یہی نہیں خود انبیائے سابقین سے کہا گیا ہے کہ تمہارے زمانہ میں بھی اگر بشارتِ کبریٰ کا ظہور ہو اور اللہ کا وہ موعود نبی تشریف لے آئے، جس کو آکر تمام عالم کی زمامِ ہدایت اپنے ہاتھ میں

---

۲۲ تفصیل کے لیے دیکھیے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس بعنوان لفظ بائبل ۲۳ بقرہ ۸۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لینا ہے تو تم اس کی تائید و نصرت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ[۲۴]

اور جب اللہ نے انبیاء سے یہ عہد لیا کہ میں تمھیں جو کتاب و حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس ایسا پیغمبر بھی آئے جو اس چیز کا تصدیق کناں ہو، جو کہ تمھارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی نصرت و اعانت کے لیے آگے بڑھنا۔ فرمایا، کیا تم نے اقرار کیا اور اس سلسلے میں میرا عہد قبول کیا۔ بولے، ہم نے اقرار کیا۔

گویا قرآن کی اصطلاح میں لفظ میثاق کا اطلاق بتعیین تاریخی عہد کے بجائے جس کا تعلق کسی مخصوص گروہ یا قوم کی دنیاوی کامرانیوں سے ہو۔ تبلیغ و اشاعت اور نصرتِ حق کے اس وعدہ و اقرار پر ہوتا ہے جس کا پورا کرنا ہر دور میں ضروری ہے۔

عہد نامہ قدیم و جدید کی اس تقسیم جدید سے اگرچہ مسلمان مصنفین ابتدا ہی سے آشنا تھے[۲۵]، تاہم انھوں نے جب بھی ادیانِ سابقہ کے بارے میں گفتگو کی ہے، تو صحف ابراہیم، تورات، زبور، انجیل کے اسی اسلوب میں کی ہے جس کو قرآن نے ملحوظ رکھا ہے۔ کیونکہ یہی وہ اسلوب رشد و ہدایت ہے، جو زیادہ موزوں اور مستقل ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم ان کتب پر سرسری نظر ڈالیں اور ان کے مرتبۂ استناد پر گفتگو کریں، ضروری ہے کہ ان کے محتویات و مشمولات سے شناسائی حاصل کر لیں۔

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ قدیم مندرجہ ذیل کتابیں اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

پیدائش	خروج	قضات	رُوت
احبار	گنتی	۱۔ سموئیل	۲۔ سموئیل
استثنا	یشوع	۱۔ سلاطین	۲۔ سلاطین

---

[۲۴] آل عمران ۸۱ [۲۵] الفہرست الفن الثانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ تواریخ	۲۔ تواریخ	دانی ایل	ہوسیع
عزرا	نحمیا	یوایل	عاموس
آستر	ایوب	عبدیاہ	یوناہ
زبور	امثال	میکاہ	ناحوم
واعظ	غزل الغزلات	حبقوق	صفنیاہ
یسعیاہ	یرمیاہ	حجی	زکریاہ
نوحہ	حزقی ایل	ملاکی	

عہدنامہ جدید

عہدنامہ جدید مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل ہے:

متی کی انجیل	مرقس کی انجیل
لوقا کی انجیل	یوحنا کی انجیل
رسولوں کے اعمال	رومیوں کے نام کا خط
کرنتھیوں کے نام کا پہلا خط	کرنتھیوں کے نام کا دوسرا خط
گلتیوں کے نام کا خط	افسیوں کے نام کا خط
فلپیوں کے نام کا خط	کلسیوں کے نام کا خط
تھسلنیکیوں کے نام کا پہلا خط	تھسلنیکیوں کے نام کا دوسرا خط
تیمتھیس کے نام کا پہلا خط ۔ دوسرا خط	فلیمون کے نام کا خط
ططس کے نام کا خط	یعقوب کا عام خط
عبرانیوں کے نام کا خط	پطرس کا دوسرا عام خط
پطرس کا پہلا عام خط	یوحنا کا دوسرا عام خط
یوحنا کا پہلا عام خط	یوحنا کا عام خط
یوحنا کا تیسرا عام خط	یوحنا عارف کا مکاشفہ

ظاہر ہے ان تمام کتابوں کے مشمولات پر ہم بحث نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے نہ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر ضروری طوالت میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ اس پر یہ خطرہ بھی مستزاد سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے اصل موضوع سے ہٹ نہ جائیں۔ ہمارا جو اصل موضوع ہے ہم بہت جلد اس کی طرف آنا چاہتے ہیں اور وہ قرآنِ حکیم کا مطالعہ اور درس ہے۔ قرآنِ حکیم کے معانی، پیغام اور مشکلات کا استیعاب ہے۔ قرآنِ حکیم کی بلاغت، عظمت اور رفعتوں کا احساس و تعارف ہے۔ یہ بحث اپنی جگہ اگرچہ بہت اہم ہے، تاہم اصل موضوع کے اعتبار سے قطعی ضمنی حیثیت کی حامل ہے کہ کتب سابقہ کا مقام و موقف کیا ہے اور قرآنِ حکیم کے نزدیک ہم ان کو کس حد تک ماننے کے مکلف ہیں۔

اس سلسلے میں اختصار کے ساتھ قرآنِ حکیم کی تصریحات کی نشان دہی ہم کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ قرآنِ حکیم کن معنوں میں ان کی تصدیق کرتا ہے، کن معنوں میں مہیمن ہے، اور کس حد تک یہ ارتقا و تکمیل کے تقاضوں کا آئینہ دار ہے۔ سر دست ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مغربی علما اور نقادوں نے ان کے بارے میں تحقیق و کاوش کے کن نتائج کو پیش کیا ہے۔ دائرہ بحث کو سمیٹتے ہوئے اس باب میں ہم تحقیق و تفحص کے دائروں کو ان تین نکات ہی تک محدود رکھیں گے۔

۱۔ زبور کیا ہے اور اس کے درجۂ استناد کی کیا کیفیت ہے۔

۲۔ کتابِ پیدائش کے بارے میں محققینِ مغرب کیا کہتے ہیں۔ اور یہ کہ

۳۔ ان تحقیقات کی روشنی میں عہد نامہ قدیم کا موقف و مقام متعین کرتے میں ہمیں کیا مدد ملتی ہے۔

زبور یا مزامیرِ داؤد کو ہم نے اس بنا پر عنوانِ بحث قرار دیا کہ عہد نامہ قدیم میں یہ وہ اولین دستاویز ہے جس تک تاریخ کی رسائی ہوئی [۲۶]

قرآنِ حکیم نے اس لفظ کو دو معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مطلق کتبِ قدیمہ کے معنوں میں بھی اور اس کتاب کے معنوں میں بھی جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔ وانہ لفی زبر الاولین [۲۷]

---

[۲۶] انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھکس بذیل لفظ بائبل [۲۷] الشعراء ۱۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزامیر کے بارے میں جدید ترین کاوش و تحقیق سے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں۔
یہ مزامیر، جن مضامین کو اپنی آغوشِ بلاغت میں لیے ہوئے ہیں، ان میں اور یونانی ورثۂ شعری میں حیرت انگیز حد تک تشابہ پایا جاتا ہے۔ جذبات میں وہی سادگی، وہی ادا اور اسی رنگ کی جھلک ہے۔ وہی مسائل اور وہی جذبات موضوعِ فکر ہیں جو یونانی روایات کا خاصہ ہیں، جیسے نوحہ، مرثیہ اور دشمن کی ہزیمت و شکست پر اظہارِ مسرت و شادمانی۔ دشمن سے اظہارِ بیزاری و برأت، اور دوستوں کی تعریف اور مدح۔ اس فرق کے ساتھ کہ ان مضامین کے پہلو بہ پہلو خدائے اسرائیل کی تمجید و اجلال کے اظہار میں عقیدت و محبت کی فراوانیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

ان مزامیر میں اسرائیل کی اس ادعانیت کا بھی بار بار تذکرہ ہے کہ اسرائیل کی لڑائیاں اور معرکہ آرائیاں براہِ راست یہوے کی معرکہ آرائیاں اور لڑائیاں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کو یہوے کی نصرت و تائید حاصل ہو۔ یہ میثاق سینائی کی وہی تعبیر ہے جو یہودیوں کے ہاں عموماً رائج و مقبول رہی ہے۔

ان کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ترتیب کسی ایک ذہن کے بجائے ایک خاص مدرسۂ فکر کے ہاتھ میں ہے اور متعدد اشخاص نے اس خاص اسلوبِ اظہار میں محنت و کاوش کی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ مزامیر کا ڈھب متعین ہو گیا تو بعد میں آنے والے مزامیر نگاروں نے اس کا تتبع کیا اور اس طرح یہ تمام مزامیر ان عوامی نغموں اور گیتوں کی شکل میں جمع ہو گئے جو قرأت کے شغل میں گائے اور دلچسپی سے سنے جاتے۔

باوجود تحقیق و تفحص کے اور اس تعین کے مزامیر میں ذوق کا تنوع پایا جاتا ہے۔ ان کے مرتبین کی شخصیتیں پردۂ خفا سے باہر نہیں آسکیں۔ البتہ بعض نغموں کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جشر (JASHAR) سے لیے گئے ہیں جو اسرائیلی ابطال کی مدح سرائی پر مبنی ہیں۔

مزامیر کی حیثیت تحقیقی مذہبی لٹریچر کی نہیں۔ ان میں محض کلمۂ شعری میں مہارت و کمال کا اظہار ہے جو اس عقیدت و محبت پر مبنی ہے، جن کو شاعر کے ذاتی وجدان و ذوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے یہودے کے بارے میں شدت سے محسوس کیا تھا۔[۲]

مزامیر یا زبور کے متعلق ایک جامع علمی اور تنقیدی مقالہ اے۔ ایچ۔ میکنیل (A. H MENEILE) نے لکھا ہے، جس کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ ان میں مرتب نے کہیں تو واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے اور کہیں جمع کا، اور ایسے مقامات بھی اس میں پائے جاتے ہیں جہاں بیک وقت واحد و جمع دونوں کا اندراج ہے۔ اسلوبِ بیان کے اس اختلاف سے اس بات کا پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس مناجات میں مصنف نے اپنے ذاتی شعور و احساس کا اظہار کیا ہے یا قومی جذبات اور امنگوں کی ترجمانی کی گئی ہے۔

۲۔ یہ مختلف ادوار میں، مختلف ذہنی و فکری ماحول میں جمع ہوئے ہیں۔

۳۔ اس میں خدا کا تصور، عیسائیت کے تصورِ خدا سے نہ صرف مختلف ہے، بلکہ نسبتاً گھٹیا اور کم درجہ کا ہے۔ کیونکہ خدا کے اس یہودیانہ تصور میں قوت، انتقام، اور اپنے منتخب بندوں کی حمایت و نصرت کی یقینی دہانی کی تصریحات تو موجود ہیں اور اس بات کی وضاحت بھی ہے کہ یہ خدا ایک قوی شخص یا ایک عظیم فرد ہے۔ لیکن یہ کہ ہم خود اس کی ذات میں زندہ ہیں اور وہ ہم میں جلوہ کناں ہے، خدا کے بارے میں اس اونچے تصور کا کوئی ذکر یا اشارہ ان میں نہیں ملتا۔ یہ خدا بادلوں میں، فرشتوں یا اپنے بیٹوں (SON OF LIM) کے ساتھ رہتا ہے۔

۴۔ ان میں چونکہ فہم و استبداد کی ان داستانوں کی تفصیل ہے جن سے انبیا اور نیک لوگ دوچار ہوئے اور برائی اور دھاندلی نے غلبہ و استیلا حاصل کیا، اس بنا پر طبعاً ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس دنیا میں شر ہی کامیاب ہو جائے تو خیر اور نیکی کا اس عالم میں مستقبل کیا ہے۔

۵۔ ان میں کامیابی کا دائرہ دنیوی اور قومی حدود میں سمٹا ہوا ہے اور موت کے بعد کسی ایسے مستقبل کی نشان دہی نہیں کی گئی جو نفیس، روحانی معراج کا حامل ہو۔ ان کا

---

[۲] محققین از انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس بضمن لفظ بائبل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشہبِ تصورِ کامرانی، دشمنوں کی سرکوبی اور اسرائیل کی فتح و ظفرمندی کے رجائی جذبات کی حدود سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔[۲۹] (باقی)

[۲۹] اے نیو کومنٹری آن ہولی اسکرپچر۔ مطبوعہ لندن۔ ص ۳۴۱ - ۳۴۵

تہافت الفلاسفہ

تلخیص و تفہیم

مولانا محمد حنیف ندوی

غزالی کی مشہور کتاب "تہافت الفلاسفہ" اور ابن رشد کے جواب "تہافت التہافتہ" کو اسلامی عقائد و افکار میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ غزالی نے اس معرکۃ الآرا کتاب میں یونانی فلسفہ اور انسانی فکر و کاوش کی واماندگی کو اجاگر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسانی فکر اور عقیدے کی اپنی منطق اور فہم و استدلال کا اپنا اسلوب ہے جس کو صرف اسی کی روشنی میں سمجھنا ممکن ہے۔ ابن رشد نے اس کے جواب میں یونانی فلسفے کی رُو سے غزالی کے اعتراضات کا ٹھیٹھ فلسفیانہ زبان میں جواب دیا ہے۔ "تہافت الفلاسفہ" کی اس "تلخیص و تفہیم" میں مولانا ندوی نے نہ صرف غزالی کے اس تنقیدی شاہکار کو شگفتہ اور رواں دواں اُردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے بلکہ اپنے طویل اور شاندار مقدمے میں دونوں کے افکار و خیالات پر جچا تلا محاکمہ بھی سپردِ قلم کیا ہے جس میں علامہ طوسی اور خواجہ زادہ کے تاریخی محاکموں سے استفادہ کے علاوہ مولانا نے موجودہ فلسفے کے رجحانات کو سامنے رکھ کر اپنی آرا کا بھی اظہار کیا ہے۔ اسلامی فلسفہ پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب نہایت ہی قیمتی دستاویز ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یونانی فلسفے نے اسلامی علم الکلام کو کس حد تک متاثر کیا ہے، دوسرے یہ حقیقت بھی فکر و نظر کی سطح پر ابھر کر سامنے آئے گی کہ مسلمان حکما و متکلمین نے یونانی فکر کے کن کن پہلوؤں میں مجتہدانہ اضافہ کیا۔ مزید برآں اس اہم کتاب میں فکر و نظر کی ان نئی سمتوں کی نشان دہی بھی ملے گی جن کی روشنی میں جدید علم الکلام کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔

قیمت ۱۲/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com